مقدمہ

محمد ذاکر علی خاں

سفر سے کسی کو مفر نہیں کیونکہ زندگی خود سفر ہے۔ کائنات کی ہر شئے متحّرک اور رواں دواں ہے۔
کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

سفر کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی قدیم یہ کائنات ہے۔ کائنات کو عالمِ اسباب بھی کہا جاتا ہے اور سبب کی تخلیقِ جمود کو توڑے بغیر ممکن نہیں۔ اشیاء اگر ارتعاش پذیر نہ ہوں تو نئے نئے قالب وجود میں آ ہی نہیں سکتے اور نئے نئے نقوش کی صورت گری کا عمل پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔

اسلام نے بھی سفر کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرانِ حکیم میں جگہ جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ "زمین پر پھیل جاؤ اور ہماری نشانیوں کو غور سے دیکھو تاکہ تمہیں عبرت کے ساتھ ہماری کبریائی اور عظمت کا بھی اندازہ ہو جائے"۔

حضور اکرمؐ نے بھی بیشتر مقامات پر سفر کی افادیت کو بیان کیا ہے۔ ایک جگہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "سفر کرو اور تندرست ہو جاؤ"۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ دنیا کے پہلے مسافر اور انسانی سفر

کے بانی حضرتِ آدمؑ ہیں۔ حضرتِ آدم نے جس سفر کی ابتداء کی تھی اس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ اس طویل مدت میں باشندگانِ کرۂ عرض نے بے شمار سفر کئے لیکن ان کے سفر کی روداد سے دنیا اس لئے لاعلم ہے کہ انہیں ضبطِ تحریر میں نہیں لایا گیا۔

قدیم زبانوں میں کہ جن میں عربی، فارسی اور لاطینی شامل ہیں، بے شمار شاہکار سفر نامے موجود ہیں۔ نئی زبان انگریزی اور فرانسیسی میں تو یہ فن عروج پر آ گیا ہے۔ لیکن اردو زبان جسے ان زبانوں کے مقابلہ میں کمسن کہا جا سکتا ہے، بڑی حد تک ایسے شاہکاروں سے محروم ہے۔ تراجم کو گنتی میں اس لئے شامل کیا گیا ہے کہ ترجمہ بہرحال معلوماتی ترجمہ ہوتا ہے۔ ابتداء میں اردو میں جو سفرنامے لکھے گئے ان کا تعلق اندرونِ ملک بلکہ صوبوں تک ہی محدود تھا۔ مگر جب سفر کے وسائل بڑھے اور دنیا نے سکڑنا شروع کیا تو بین الاقوامی سفرناموں کا بھی آغاز شروع ہو گیا۔ چنانچہ موجودہ عہد کے معروف نام حکیم محمد سعید، ابنِ انشاء، مستنصر حسین تارڑ، قمر علی عباسی اور رضا علی عابدی وغیرہ ہیں۔ اردو زبان میں کچھ سفرنامے ایسے بھی ہیں جو بغیر کہیں سفر کئے، مختلف کتب اور گائیڈوں کی مدد سے گھر بیٹھ کر لکھے گئے۔

اب محترمہ سلطانہ آدؔا صاحبہ نے بھی احوالِ مسافت رقم کیا ہے جو ایک خوش آئند ابتدا ہے۔ وہ بنیادی طور پر ایک شاعرہ ہیں جس کا ثبوت وہ شعری مجموعات ہیں جو بیسویں صدی کی آخری دہائی میں طبع ہو کر شیدائیانِ سخن سے داد وصول کر چکے ہیں۔

آدؔا صاحبہ کا سفر نامہ "سفر کب تک؟" پیشِ نظر ہے جسے پڑھ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مردوں کے مقابلے میں خواتین میں قوتِ مشاہدہ زیادہ شدّت سے موجود ہوتی ہے۔ مرد جن اشیاء کو سرسری نظر سے دیکھتے ہیں خواتین ان کی جزئیات تک سے آگاہ ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ان کا سفرنامہ کم و بیش چار صد صفحات پر محیط ہے جس کے ابتدائی ۵۴ رصفحات ان کی زندگی کے مختلف واقعات سے عبارت ہیں۔ کل ۴۰ رسفر کا احوال انہوں نے رقم کیا ہے جس میں انڈو پاک کے مشہور شہروں، قصبات و دیہات کے علاوہ سعودی عرب، شام، امریکہ و برطانیہ اور یورپ کے مختلف مقامات شامل ہیں۔ پہلا سفر انہوں نے چار سال کی عمر میں ایک رتھ پر کیا جب انہیں ایک شادی میں شرکت کے لئے اپنے والدین کے ساتھ رامپور سے دور کہیں ایک گاؤں جانا پڑا۔ ان کی یادداشت اور قوتِ مشاہدہ کی جھلک ان کی اس تحریر میں دیکھئے......

"ہمارے رَتھ کے ساتھ ہر طرف رَتھ ہی رَتھ تھے، اور ان کے آگے اِتنے اُونچے اُونچے ناگوری بیل جِن کی پیٹھ پر سُرخ کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ ان کپڑوں پر کوڑیوں کا کام بنا ہوا تھا۔ بیلوں کے گلے میں گھنگروں کے ہار پڑے ہوئے تھے اور سروں پر سفید اور چتکبری جھالر لٹکتی ہوئی تھی جو آنکھوں کو ڈھک رہی تھی۔"

انہیں جہاں جیسا نظر آیا، اسے ویسے ہی صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیا۔ چونکہ ان کا تعلق سابقہ ریاست رامپور سے ہے اور انہوں نے اپنا لڑکپن اور بچپن وہاں بسر کیا ہے، اس لئے وہاں کے شب و روز کا حال انہوں نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ آیئے اس کی بھی کچھ جھلکیاں دیکھیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ......

"رمضان میں سحری کو 'جگانے والے' آتے تھے، جو ڈھول بجا بجا کر سب کو جگاتے۔ الارم والی گھڑیاں شاید ابھی ناپید تھیں۔ ہم چھوٹے تھے، روزہ تو نہیں رکھ سکتے تھے، لیکن ڈھول کی آواز کانوں کی عمر نہیں پہچانتی تھی۔ پھر سحری کا وقت ختم کرنے کی اطلاع کے لئے توپ چلتی، پہلے ایک، اور پھر کچھ وقفے کے بعد دوسری۔ اسی طرح افطار کے وقت کی اطلاع دو بار توپ چلنے کی آواز سے ہوتی۔ اب جو یاد آتا ہے وہ یہ کہ ہم سب کے ساتھ سحری بھی کھاتے، افطار بھی کرتے، اور لطف اٹھاتے۔ بڑے فخر سے کہتے کہ ہمارا روزہ ہے۔ اس پر ہمارے چچا، ماموں، ممانیاں پوچھتے کہ روزہ کہاں رکھا ہے، تو ہماری اماں کہتیں کہ "کہہ دو بیٹا وہ اوپر طاق پر رکھا ہے"۔ افطار کے وقت پہلے مولانا کا حصّہ مسجد جاتا، پھر محلّے کے گھروں میں حصّہ باٹا جاتا، اور پھر گھر میں افطار ہوتا۔ رات کا کھانا تو تقریباً سارا سال مسجد ضرور جاتا کیونکہ وہاں مسافر اور طالب علم رات کو ٹھرا کرتے تھے۔"

رمضان کی آخری تاریخوں سے خالائیں، ممانیاں، چچیاں، سب ہی والدہ سے رائے مشورہ کرنے آجاتیں۔ یہ مشورے ہوتے کپڑوں کے سلسلے میں۔ گو یہ بات ہے ۱۹۳۵ء کے لگ بھگ کی، لیکن فیشن تو پردے کے اندر، اور ڈولیوں میں بھی رہتا تھا۔"

عید کے چار دن پہلے چوڑی والیاں گھروں کی گشت شروع کر دیتیں۔ مالنیں

مہندی اور ہار لا کر دکھاتیں۔ حالانکہ مہندی پسی ہوئی بھی ملتی تھی، لیکن پسند یہ ہوتا تھا کہ مہندی سامنے تازہ پسے، اور سردی کے موسم میں لونگیں ملا کر پیستے کہ اس طرح رنگ بہتر نکلتا تھا۔ اگر رنگ مزید گہرا کرنا ہو تو اجوائن ملا کر پیستے تھے۔ ان سب سوداگروں سے خاندان در خاندان خریداری کی جان پہچان ہوتی تھی، اور وقت سے پہلے ہی یہ لوگ سب گھر پر سامان لے آتے تھے۔ اس طرح ہمیں خریداری کے لئے نہ ٹیلیفون کی ضرورت ہوتی تھی اور نہ ہی اشیاء کی قیمت ادا کرنے کے لئے لمبی لمبی قطاروں میں کھڑے رہنے کی ضرورت پڑتی تھی۔"

ماضی کی بے شمار یادوں کو انہوں نے اسی طرح بڑے دلکش پیرائے میں اپنے سفر نامے کی زینت بنایا ہے۔ شاہ ولایت کے مزار کی زیارت کا حال وہ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ......

"ہم نے مجاور سے یہ بچّھو دکھانے کو کہا تو انہوں نے مٹّی کے ایک بدھنے میں ہاتھ ڈال کر مُٹھی بھر بچّھو نکال لئے۔ بدھنا مسجد کے لوٹے کی طرح ہوتا ہے۔ انہوں نے ہم سے ہمارے بارے میں پوچھا، اور ہمارے بتانے پر کہ ہم اُس خاندان کی بہو ہیں، انہوں نے بچھو ہمارے ہاتھ میں رکھ دیئے۔ ہم نے بھی مجبوراً لے لئے کہ خود کو شاہ ولایت کی بہو ظاہر کر چکے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ کسی نے ہمیں نہیں کاٹا۔"

غرض اس قسم کے متعدد واقعات اس سفر نامے کی زینت ہیں جنہیں پڑھ کر لطف بھی آتا ہے اور معلومات میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔

اسی طرح تین چوتھائی صدی کے دوران دنیا کے جس جس مقام سے ان کا گزر ہوا اس کا احوال انہوں نے بڑی تفصیل سے رقم کر دیا ہے۔ شادی بیاہ کی رسوم ہوں یا تہواروں کی تیاریاں، مجالسِ محرم کا ذکر، شعری نشستوں کا قصّہ ہو یا میلوں ٹھیلوں کی روداد، غرض چھوٹی سے چھوٹی بات کو انہوں نے اپنے خاص انداز میں تحریر کر کے قارئین کے لئے دلچسپ و اہم معلومات فراہم کی ہیں۔

علاوہ ازیں انہوں نے دنیا کے مختلف ممالک کے باشندگان کے رہن سہن، عادات و اطوار،

خرید وفروخت کے انداز، بازار وگلیوں کی روداد، شہری دیہاتی اور کوہستانی مقامات کی جو تصویر کھینچی ہے، وہ بہت دلکش و جاندار ہے۔ ان کا یہ سفرنامہ ایک ایسا آئینہ ہے جس کا ہر عکس واضح خدوخال کے ساتھ اپنی موجودگی کا احساس دلاتا ہے اور اس میں مقبولیت کے تمام اوصاف پائے جاتے ہیں۔ ان کی یہ کاوش سفری ادب میں ایک پر لطف اور معلومات انگیز اضافہ قرار دی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور مزید مہلت و ہمت دے تاکہ اسی ذوق وشوق سے وہ سفر کرتی رہیں اور قارئین کو بھی شریکِ سفر بناتی رہیں۔

۔ محمد ذاکر علی خاں